سیدؒ علی ہجویریؒ اور حسینؒ زنجانیؒ

(ایک مشہور قصہ کا تاریخی جائزہ)

پیر محمد حسن

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی لاہور میں آمد اور حسین زنجانی کی وفات کا قصہ اس قدر شہرت حاصل کر چکا ہے کہ اس کے متعلق کچھ کہنا اپنے آپ کو عقیدت مندوں کی زبانِ طعن کا نشانہ بنانا ہے۔ ہمارے ہاں بزرگوں کا احترام اس حد تک ہے کہ ان کی کسی بات کو وحی و الہام سے کم نہیں سمجھا جاتا۔ عقیدت بھی عجیب چیز ہے، بارہا اس کے کرشمے دیکھنے میں آئے۔ یہ ضروری نہیں کہ صحیح قسم کی عقیدت ہو۔ خواہ یہ غلط قسم کی ہی کیوں نہ ہو جس کے ساتھ ہو جائے پھر کیا ہے انسان اس کے خلاف ایک حرف بھی سننے کو تیار نہیں ہوتا اور اگر کسی نے ان کی کسی بات پر حرف گیری کی وہ گردن زدنی قرار دیا گیا، ایسی صورت میں بھلا کوئی کیوں کر قلم اُٹھائے گا۔ بزرگوں کا احترام اپنی جگہ پر ہے۔ احترام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کسی تحقیقی بات کے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیئے۔

یہاں پر میرا اشارہ اس بیان کی طرف ہے جو فوائد الفواد میں مذکور ہے اور جس پر سید علی ہجویری کی لاہور میں آمد اور حسین زنجانی کی وفات کے قصہ کا تمام تر انحصار ہے۔

فوائد الفواد کی اصل عبارت یہ ہے[1]:۔

نحتی سخن در ذکر مزار ہائے لہاور افتاد بر لفظ مبارک راند کہ بسیار بزرگاں آنجا

۱۔ فوائد الفواد، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۴ھ = ۱۹۶۶ء، ناشر ملک سراج الدین ص ۵۷۔

خفتہ اند بعد ازاں بندہ را پرسید کہ تو لہاور دیدۂ ؟ بندہ گفت : آرے دیدہ ام و زیارت بعضی بزرگان آنجای کردہ ام چوں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ و اولیائی دیگر۔

بعد ازاں بر لفظ مبارک راند کہ شیخ حسین زنجانی و شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہما ہر دو مرید یک پیر بودہ اند و آں پیر قطب عہد بودہ است شیخ حسین زنجانی از دیرباز ساکن لاہور بود بعد از چند گاہ پیر ایشاں خواجہ علی ہجویری را فرمود کہ در لہاور رو و ساکن شو و شیخ علی ہجویری عرضداشت کرد کہ حسین زنجانی آنجاست پیر فرمود کہ تو برو و چوں علی ہجویری بحکم اشارت ایشاں در لہاور آمد شب بود بامداد آں جنازہ شیخ حسین زنجانی را بیروں آوردند۔

یہ ہے وہ اصل عبارت جس پر اس قصے کی بنیاد ہے اور خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعد میں آنے والوں نے اسے قبول کیا اور پھر بار بار اسے نقل کیا۔

یہ بیان ساقط از اعتبار ہے۔ تاریخ سے اس کی شہادت نہیں ملتی بلکہ اس کی تردید تکذیب میں ہی بیانات پائے جاتے ہیں۔ اس میں خواجہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ہر دو مرید یک پیر بودہ اند و آں پیر قطب عہد بودہ است

مگر اس پیر کا نام نہیں دیا۔ سید علی ہجویری اس برصغیر کے اولیاء میں مشہور ترین ہستی سمجھے جاتے ہیں اور ان کی کتاب کشف المحجوب کا خاص و عام میں خوب چرچا ہے، بالخصوص صوفیاء کے ہاں تو اس کتاب کا رکھنا اور پڑھنا اشد ضروری سمجھا جاتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کو سید علی ہجویریؒ کے پیر کا نام نہ معلوم ہو۔ صرف اسی جملے کو پڑھ کر اس بیان کی صحت کے متعلق شکوک پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں واضح الفاظ میں اپنے پیر کا نام بتا دیا ہے۔ چنانچہ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی کے تذکرے میں فرماتے ہیں:-

اقتداء[1] من اندر طریقت بدوست

۱۔ کشف المحجوب : ۲۰۹ مطبع نامی گرامی حرمت مسند سلیانوف۔

اس کے بعد بیان جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وآں روز کہ ویرا وفات آمد بہ بیت الجن بود وآں دیہی ست برسر عقبہ میان بانیاروو ودمشق سر برکنار من واشت و مرا رنجی بود اندر دل از یکی یاران خود چنانکہ عادت آدمیان بود مراگفت : اے پسر مسئلہ از اعتقاد با تو بگویم اگر خود را برآں دراست (دراست ؟) کنی از ہمہ رنجہائی باز رہی بدانکہ اندر محلہا وحالہا خدای تعالیٰ می آفریند از نیک و بد باید کہ بر فعل وی خصومت نکنی و رنجی بدل نگیری وبجز ایں وصیت دراز کرد وجان بداد ۔

سید علی ہجویری کے اس بیان سے بالکل واضح ہے کہ وہ اپنے پیر کی وفات کے وقت ان کے پاس بیت الجن میں تھے مگر خواجہ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے سید علی ہجویری کو اپنی زندگی ہی میں لاہور چلے جانے کا حکم دیا تھا ۔ سید علی ہجویری کا اپنا بیان ہر لحاظ سے قابلِ قبول اور صحیح سمجھا جائے گا ۔

سید علی ہجویری لاہور چلے آنے کے بعد پھر کہیں نہیں گئے ۔ ختلی رحمتہ اللہ علیہ نے ۴۵۳ھ میں[۱] وفات پائی لہذا وہ اس تاریخ کے بعد ہی لاہور تشریف لائے ہوں گے ۔ سید محمد لطیف نے لکھا ہے کہ ہجویری ۴۳۱ھ میں لاہور[۲] آئے مگر ختلی کی تاریخ وفات پیشِ نظر رکھتے ہوئے سید محمد لطیف کا بیان بھی غلط قرار پاتا ہے مزید برآں سید محمد لطیف نے اپنا ماخذ بھی نہیں بتایا ۔

اب جب ہم حسین زنجانی کو لیتے ہیں تو ہمیں سید علی ہجویری کے عہد میں اس نام کے کسی شخص کا کہیں پتا نہیں چلتا ۔ پاک وہند کے تذکرہ نگاروں نے جس حسن زنجانی کا ذکر کیا ہے وہ سید علی ہجویری سے بہت بعد کے زمانے میں ہوئے ہیں ۔ مفتی غلام سرور اور عبدالحی لکھنوی کے بیان کے مطابق حسن زنجانی سید یعقوب بن علی حسینی کاظمی زنجانی

---

۱ ۔ نفحات الانس ۔ طبع لکھنؤ : ۲۹۰ ، خزینۃ الاصفیاء ۔ ۲ : ۲۳۱ ۔
۲ ۔ مقدمہ بر کشف المحجوب نسخہ ڈاکٹر محمد شفیع ص ۵ ۔

کے ہمراہ ۴۲۵ھ میں لاہور آئے[۱]۔ مفتی غلام سرور نے حسن زنجانی کی تاریخ وفات ۶۰۰ھ بتائی ہے۔ عبدالحی لکھنوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ خواجہ معین الدین حسن سنجری (م ۶۳۳ھ) نے علی ہجویری اور زنجانی کے مزاروں پر چلہ کشی کی۔ خواجہ حسن سنجری لاہور سے ہوتے ہوئے ۵۶۱ھ میں اجمیر پہنچ گئے[۲] تھے اور اس وقت تک تو زنجانی زندہ تھے۔ لہٰذا نہ مزار تھا نہ چلہ کشی۔

زنجان ایک مردم خیز خطہ تھا جہاں سے متعدد علماء و صلحاء نکلے۔ سید علی ہجویری کے دَور میں ابوالقاسم سعد بن علی بن محمد بن علی بن الحسین زنجانی ہوئے ہیں۔ انہوں نے دنیا بھر کی سیاحت کی اور بہت سے پیروں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ آخر عمر میں انھوں نے مکہ میں رہائش اختیار کر لی تھی اور وہیں ۴۷۰ھ میں وفات پائی۔ یہ بہت بڑے عابد اور صاحب کشف و کرامات تھے۔[۳]

مذکورہ بالا ابوالقاسم زنجانی سے سید علی ہجویری کی ملاقات کا امکان ہے اگرچہ تذکرہ نگاروں نے ان کے پیر کا نام نہیں دیا مگر ہو سکتا ہے کہ یہ بھی خُتلی کے مرید ہوں اور سیاحت کرتے کرتے لاہور بھی آئے ہوں اور خواجہ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کی مراد بھی انہی سے ہو، کیونکہ خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کو ناموں میں اکثر مغالطہ ہو جاتا تھا جیسا کہ ہم بعد کی سطروں میں بیان کریں گے۔

ہمارے اس بیان سے واضح ہو گیا ہوگا کہ سید علی ہجویری کی لاہور میں آمد اور حسن زنجانی کی وفات کا قصہ بے بنیاد اور غلط ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواجہ رحمتہ اللہ جیسی بزرگ ہستی کو یہ غلط فہمی کیسے ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ خواجہ صاحب نے حسین زنجانی یا ابوالحسین زنجانی نامی کسی صوفی کا نام سن رکھا ہوگا جسے انہوں نے یہاں لگا دیا۔ بڑی

۱۔ نزھۃ الخواطر۔ ۱: ۱۸۴؛ خزینۃ الاصفیاء۔ ۲: ۲۵۳۔ ۲۵۲۔

۲۔ خزینۃ الاصفیاء۔ ۱۔ ۲۵۹۔

۳۔ معجم البلدان۔ ۴: ۴۰۷۔ ۴۰۸ طبع مصر ۱۳۲۴ھ = ۱۹۰۶ء

جستجو کے بعد قدماء صوفیاء میں ابوالحسین زنجانی کا نام مل گیا۔ مگر ان کے حالات کا کہیں پتا نہ چل سکا۔ ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (م ۴۶۵ ھ) نے اپنے رسالے[1] میں (رسالہ قشیریہ : ص ۵۷) ان کا یہ قول نقل کیا ہے ؛

وسمعته [یعنی اباعبد الرحمٰن السلمی[2]] یقول سمعت ابا بکر الرازی یقول سمعت ابالحسین الزنجانی یقول :

من کان رأس مالـه التقویٰ کلّتِ الاُلسن عن وصف ربحه۔

میں نے انہی (مراد ابوعبدالرحمٰن سلمی) سے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے ابوبکر رازی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالحسین زنجانی کو یوں فرماتے سنا :

"جس شخص کا سرمایہ تقویٰ ہو زبان بیان نہیں کر سکتی کہ اس کا منافع کس قدر ہوگا۔"

اس قول کی سند میں ابوعبدالرحمٰن سلمی ہیں جن کی[3] وفات ۴۱۲ ھ میں ہوئی ، پھر ابوبکر رازی جن کی وفات ۳۷۶[4] ھ میں ہوئی ، لہٰذا ابوالحسین زنجانی یقینی طور سے ان سے پہلے ہوئے ہوں گے۔

طبقات الصوفیہ[5] میں ابراہیم خواص کا یہ قول ابوالحسین زنجانی کی سند سے دیا ہے ؛

وسمعت ابابکر یقول سمعت ابا الحسین الزنجانی یقول سمعت ابراہیم یقول؛ رأیت شیخاً من أهل المعرفة عَرَّج بعد سبعة عشر علی سبب فی البریـة فنعا ، شیخ کان معه فأبی أن یقبل فسقط ولـم یرتفع عن حدود الأسباب۔

(میں نے ابوبکر (رازی) کو فرماتے سنا ، وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوالحسین زنجانی کو

---

۱ - رسالہ قشیریہ طبع مصر ۱۳۵۹ ھ ، ۱۹۴۰ ء طبع اول۔

۲ - یہ حروف راقم کی طرف سے ہیں۔

۳ - مقدمہ بر طبقات الصوفیہ از نورالدین شریبہ۔

۴ - طبقات الصوفیہ ۱۹ ، تاریخ بغداد - ۵ : ۴۶۴ ، میزان الاعتدال - ۳ : ۸۵ - اور نفحات الانس - ۲۱۹۔

۵ - طبقات الصوفیہ از ابوعبدالرحمٰن سلمی - ۲۸۶ - طبع مصر تحقیق نورالدین شریبہ۔

فرماتے سنا کہ ابراہیمؒ فرماتے تھے:

میں نے ایک شیخ کو جو اہل معرفت میں سے تھے دیکھا کہ سترہ دن (بھوکے رہنے) کے بعد جنگل میں دنیا کی کسی چیز کو (لینے کے لئے) ٹھہر گئے، ایک اور شیخ نے جو ان کے ساتھ تھے انہیں منع کیا مگر وہ نہ مانے۔ لہٰذا وہ اپنے مرتبہ سے گر گئے اور دنیاوی اسباب کے حدود سے بلند نہ جا سکے۔[1]

اس سند میں وہی ابو بکر رازی متوفی ۳۷۶ھ ہیں اور ابوالحسین زنجانی ابراہیم کا قول نقل کر رہے ہیں۔ ابراہیم سے یہاں مراد ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن اسماعیل الخواص ہیں۔ جن کی وفات ۲۹۱ھ میں رَیّ کی جامع مسجد میں ہوئی۔ مذکورہ بالا دونوں سندوں کو ملحوظ رکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابوالحسین زنجانی کا زمانہ ۲۹۱ھ اور ۳۷۶ھ کے درمیان کا زمانہ ہے۔

فوائد الفواد کے بیانات کس حد تک قابلِ اعتماد ہیں ہم اس کی ایک اور مثال یہاں پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں[2]:

ازاں نسبت خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر حکایت فرمود کہ وقتی شیخ ابوالقاسم نصرآبادی کہ پیر ابو سعید ابوالخیر بود رحمۃ اللہ علیہم اجمعین با یاران بہم طعام خوردن مشغول بودہ است (کذا) امام الحرمین کہ استاد امام غزالی بود رحمۃ اللہ علیہ درآمد و سلام گفت شیخ ابوالقاسم و یارانِ اُو بدو التفاتی نکردند۔ چوں طعام خوردہ شد امام الحرمین گفت: چوں من در آمدم و سلام گفتم شما ہیچ جواب ندادید، ایں چہ باشد؟ شیخ ابوالقاسم گفت، رسم چنین است کہ ہر کہ در جمعی درآید کہ آں جمع بطعام خوردن مشغول باشند آں کس را می باید کہ سلام نکند بیاید و بنشیند و چوں از طعام فارغ شوند و دست بشویند آں گاہ آنکس برخیزد و سلام گوید۔ امام الحرمین گفت: ایں معنی از کجا می گوئی؟ از عقل می گوئی یا از نقل۔ ابوالقاسم گفت: از روی عقل۔ زیرا کہ طعامی کہ خوردہ می شود برائی قوت طاعت

۱۔ رسالہ قشیریہ: ۲۵۔ ۲۔ فوائد الفواد: ۲۳۱۔

است پس آں کس کہ بدیں نیت طعام استیفا می کند کوئی او در عین است پس آنکہ در طاعت مشغول باشد مثلاً در نماز باشد علیک چگونہ گوید۔

ہمیں اس بیان کے آخری حصے کی بحث میں نہیں پڑنا ہے ۔ احباب ندرتِ استدلال پر غور کریں اور داد دیں ۔ ہمیں اس کی صرف تاریخی حیثیت پر بحث کر کے یہ واضح کر دکھانا ہے کہ یہ بیان پہلے بیان کے مقابلہ میں اور بھی زیادہ غلط اور بے بنیاد ہے۔

اس بیان میں خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالقاسم نصرآبادی کو ابوسعید ابوالخیر کا پیر قرار دیا ہے ، حالاں کہ ابوسعید ابوالخیر کے کسی تذکرہ نگار نے نصرآبادی کو ان کا پیر قرار نہیں دیا ۔ ابوسعید کے پیر ابوالفضل محمد بن حسن سرخسیؒ ہیں اور ان کا سلسلۂ بیعت یوں ہے[۲] :

ابوالفضل محمد بن حسن سرخسی مرید ابو نصر سراج (م ۳۷۸ھ) اور ابونصر سراج مرید ہیں ابو محمد مرتعش (م ۳۲۸ھ) کے' ابو محمد مرتعش ابوحفص (متوفی بعد از ۲۶۰ھ) اور ابو عثمان (متوفی ۲۹۸ھ) کی صحبت میں رہے اور جنید (م ۲۹۷ھ) سے بھی ان کی ملاقات ہوئی ۔ اس سلسلے میں ابوالقاسم نصرآبادی کا کہیں ذکر نہیں ، اگر ہوتا تو ہم یہ کہتے کہ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے دادا پیر مراد لیا ہو۔

ابوسعید ابوالخیر کسی صورت میں بھی نصرآبادی کے مرید نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے کہ نصرآبادی ۳۶۶ھ میں مکہ چلے گئے تھے اور وہیں ۳۶۷ھ میں ان کا انتقال[۳] ہوا۔

---

۱ ۔ نفحات الانس، طبع نول کشور، ص۲۶۴ ، ۲۷۷ ؛ خزینۃ الاصفیاء ۔ ۲ : ۲۲۸ ، ۲۲۹ اور انگریزی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مقالہ ابوسعید ابوالخیر۔

۲ ۔ نفحات الانس ، ص۲۶۴ ، ۲۷۷ ۔

۳ ۔ طبقات الصوفیہ از ابوعبدالرحمٰن سلمی ، ص۴۸۴ ۔ واضح رہے کہ سلمی نصرآبادی کے براہِ راست مرید ہیں ۔ قشیری نے (رسالہ قشیریہ ، ۲۲) نصرآبادی کی تاریخ وفات ۳۶۹ھ دی ہے اور قشیری نصرآبادی کے پوتے مرید ہیں ۔ قشیری کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور ابوسعید ابوالخیر کی پیدائش ۳۵۷ھ میں ہوئی۔ نصرآبادی کی وفات کے وقت ان کی عمر دس سال تھی۔ ابوسعید نے اپنی ابتدائی عمر اپنے وطن میہنہ میں گذاری اور وہ کسی حد تک علوم ظاہری کی تحصیل کر چکے تھے کہ وہ سرخسی کے مرید بنے۔ دس سال کی عمر میں تو ان دونوں کی ملاقات کا بھی کوئی امکان نہیں بالخصوص جبکہ نصرآبادی ۳۶۶ھ میں مکہ جا چکے تھے۔

فوائدالفواد کے اس بیان میں مزید بتایا گیا ہے کہ آنے والے بزرگ کا نام امام الحرمین ہے جو امام غزالی کے اُستاد تھے۔ امام الحرمین ان کا لقب تھا اور نام ابوالمعالی عبدالملک بن ابومحمد عبداللہ بن یوسف جُوینی ہے۔ مکہ میں چار سال رہنے کی وجہ سے امام الحرمین لقب پایا۔ ان کی ولادت ۴۱۹ھ میں ہوئی[1] جبکہ نصرآبادی ۳۶۷ھ میں وفات پا چکے تھے۔ بالفاظ دیگر امام الحرمین نصرآبادی کی وفات سے باون سال بعد پیدا ہوئے لہذا وہ نصرآبادی کی محفل طعام میں کیسے آ گئے۔

خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کو حافظہ نے دھوکا دیا ہے اس لئے کہ امام غزالی کا استاد ہونے کی وجہ سے امام الحرمین کا نام اپنے باپ کے مقابلے میں زیادہ مشہور ہے۔ اسی لئے خواجہ صاحب نے انہی کا نام لے دیا۔ امام الحرمین کے والد ابومحمد عبداللہ بن یوسف جوینی متوفی ۴۳۸ھ ابوسعید ابوالخیر کے ہم درس تھے مگر نصرآبادی کے ساتھ ان کی ملاقات کا پھر بھی امکان نہیں کیونکہ دونوں کے سن وفات میں اکہتر سال کا وقفہ ہے۔ راقم کے نزدیک امکان صرف اس بات کا ہے کہ ابومحمد عبداللہ بن یوسف جوینی نے ابوسعید ابوالخیر کے پیر ابوالفضل سرخسی سے ملاقات کی ہو اور یہ واقعہ انہی سے پیش آیا ہو ——— ہمارے اس بیان سے یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ فوائدالفواد کے بعض بیانات ساقط از اعتبار اور تاریخی طور پر ناقابلِ قبول ہیں اور حسین زنجانی والا مذکورہ بالا قصہ اسی قسم کے بیانات میں سے ہے اور تاریخی طور پر باطل ہے۔ ☆☆

(بقیہ حاشیہ) پیر ابوعلی دقاق ہیں۔ سن وفات میں اختلاف عربی الفاظ کی وجہ سے ہوا کیونکہ نو (تسع) اور سات (سبع) لکھنے میں ایک جیسے ہیں اور ان دنوں نقطے لکھنے کا رواج نہ تھا۔

۱۔ البدایہ والنہایہ از ابن کثیر۔ ۱۲ : ۱۲۸۔